Date of Publication: 23/12/2012

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 24-25 Dec. 2012
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012 14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

01-07 January 2013
Issue: 1, Vol.:72

یکم تا ۷ / جنوری ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر: ۱، جلد نمبر: ۷۲

مہمان اداریہ

شمیم حنفی

ادیب اور ادبی معاشرہ معاصر سفاکی سے بے نیاز نہیں رہ سکتے

منٹو صدی تقریبات مشرق و مغرب کے بہت سے شہروں میں منائی گئیں اور منٹو کے بہانے، ایسی ہر تقریب میں ہماری معاشرتی صورت حال، اجتماعی زندگی اور ادیب کے رول کو بھی کسی نہ کسی سطح پر موضوع بنایا گیا۔ منٹو نے اپنے گرد و پیش کی دنیا کے اندھیروں اور اس دنیا میں سانس لینے والی بدقسمت مخلوق کے آشوب کو خاص طور سے اپنے تجربوں کی بنیاد بنایا تھا۔ اس لحاظ سے منٹو کے سماجی سروکار غیر معمولی کہے جاسکتے ہیں۔ کیسی اندوہ ناک حقیقت ہے کہ ہمارے زمانے میں واقعے اور کہانی کا فرق مٹ چکا ہے اور انتہائی انہونے، دل دوز اور دہشت خیز تجربے ہمارے روزمرہ کا حصہ بن چکے ہیں۔ صبح کا اخبار آتا ہے تو ایک ساتھ بہت سے دکھوں اور اندیشوں کی سوغات ساتھ لاتا ہے۔ ہمارا اپنا معاشرہ کتنا بے لگام ہو چکا ہے، ہماری صدیوں کی پروردہ روایتیں انسانی عناصر سے کس درجہ عاری ہوتی جارہی ہیں اور ایک صارفی سماج میں بہ ظاہر آسائش کے نت نئے وسائل کے باوجود، اخلاقی اور جذباتی سطح پر ہم کتنے قلاش اور قابلِ رحم ہو چکے ہیں، اس کا اندازہ لگانے کے لیے صبح کا اخبار کافی ہے۔

ایک نوبل انعام یافتہ ادیب نے سوئڈش اکیڈمی کی تقریب میں کہا تھا ــ اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے ادیب اپنے فن اور اخلاق کے تعلق پر، سیاست اور اخلاق کے تعلق پر نئے سرے سے غور کریں اور اپنی تخلیقات میں اس سے وابستہ مسائل برابر اٹھاتے رہیں۔ ہمارا معاشرہ جتنا بے راہ رو، جتنا سنگ دل اور بدہیئت ہوتا جارہا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ادب اور اخلاق یا ادیب اور سماجی ذمے داری کے موضوع کو ایک طرح کی مرکزی حیثیت دی جائے۔ ایسا ادب جو روحِ عصر سے بے نیازانہ گزر جائے اسے ادب اور آرٹ کے دائرے سے باہر کی چیز سمجھنا چاہیے۔

اردو ہی نہیں، انگریزی اور ہندستان پاکستان کی علاقائی زبانوں میں منٹو کی پذیرائی جس طرح کی گئی، اس سے بھی اسی سچائی کا ثبوت ملتا ہے کہ ادب کی تخلیق کرنے والوں سے ہماری معاشرتی زندگی کے تقاضے صرف لسانی اور فن کارانہ نہیں ہیں۔ ادیب اپنے عہد کا ضمیر ہوتا ہے۔ حقیقت پسند فکشن کے اولین معمار پریم چند سے لے کر منٹو کی کم و بیش تمام نمائندہ کہانیوں تک، اسی "ضمیر" کی روداد پھیلی ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں، ہمارے ادیبوں کو اردو کی ادبی روایت کے ماضی سے ماخوذ روحِ عصر کی ترجمانی کے آداب اور اسالیب پر نئے سرے سے غور کرنا ہوگا۔ موجودہ حالات میں اس مسئلے پر پھر سے ایک مکالمہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر باشعور ادیب کے احساسات تاریخ اور مادّی دنیا کے ایک خاص دائرے میں گردش کرتے ہیں۔ اس دائرے سے باہر نکلنے کا راستہ وہ اپنی تخلیقی توانائی اور استعداد کی مدد سے پیدا کرتا ہے لیکن تاریخ بہرحال ایک ایسی سچائی ہے جس کے جبر سے مکمل آزادی ممکن نہیں۔ ہمارا معاشرہ اس وقت جو تاریخ لکھ رہا ہے اس میں تشدد، جنسی بے راہ روی، فرقہ واریت، دنیا طلبی اور صارفیت کی بیماریاں مستقل مسائل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہمارے ملک کی راج دھانی دلّی میں جنسی تشدد اور بے راہ روی کے جو واقعات ابھی حال میں رونما ہوئے، انھوں نے سب کا دل دہلا دیا ہے۔ سیاست ہماری مجرموں کی آرام گاہ بنتی جارہی ہے۔ اور چوں کہ سیاست والوں کو اخلاقی معاملات سے بالعموم غرض نہیں ہوتی اس لیے معاشرے میں ابتری پیدا کرنے والوں کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے۔ چند روز قبل رات گئے دلّی کی ایک بھری پری سڑک پر ایک نوجوان لڑکی اور اس کے ساتھی کو جس تجربے سے گزرنا پڑا، اس نے حکومت کے ایوانوں سے لے کر عوام کے چھوٹے بڑے گروہوں تک، سب کو اپنے گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور کردیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے ادیب اور ادبی معاشرہ اس صورت حال سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ منٹو، بیدی، عصمت چغتائی، کرشن چندر، غلام عباس، حیات اللہ انصاری کی مرتبہ ادبی روایت جس نے پریم چند کی انسان دوستی اور دردمندی کے سائے میں اپنا سفر طے کیا تھا اور جو ہمارے عہد کی بہت قیمتی وراثت ہے، اس کے کچھ مطالبے ہمارے عہد کے تمام حساس انسانوں، آرٹسٹوں اور ادیبوں سے بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ معاشرتی اصلاح اور تعمیر کے سارے کام صرف ہمارے صنعت کاروں اور سیاست والوں کے سپرد نہیں کیے جاسکتے۔

ooo

B-114، I3، ذاکر باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

جب فلمی دُنیا میں کاروانِ اردو رواں دواں تھا

ادب سے فلم کے تعلق کی گُم شدہ یادیں

• وشواناتھ طاؤس (C-38، سیکٹر 39، نوئیڈا [یوپی] 201303)

کنجی آنکھوں والی جہاں آرا کجن اپنے زمانے کی ہر دلعزیز اداکارہ تھی۔ شکل و صورت کی اچھی تھی، بلا کی آواز پائی تھی اور خوب گاتی تھی۔ ۱۹۱۷ء میں پٹنہ میں پیدا ہوئی۔ میڈن تھیٹرز کلکتہ کی فلم 'شیریں فرہاد' اس کی اوّلین فلم تھی، اس کے بعد 'لیلیٰ مجنوں' میں نمودار ہوئی۔ ماسٹر نثار نے ان میں ہیرو کا کردار انجام دیا تھا اور بے حد کامیاب رہیں۔ کجن اور نثار کی جوڑی مقبول ہوگئی اور تماش بین ان کے دیوانے ہوگئے۔ دونوں فلموں کی کہانی اور مکالمے آغا حشر کاشمیری کے قلم سے نکلے تھے جو بہت پسند کیے گئے۔ حشر تھیٹر کی دنیا کے بے تاج بادشاہ تو تھے ہی فلم نگری میں بھی ان کا نام گونجنے لگا۔ وہ ثقیل زبان میں لکھتے تھے مگر ان کا انداز تحریر اور طرز بیان اس قدر دلپذیر تھا کہ یہ مکالمے زبان زد عام ہوگئے اور عوام انھیں روزمرہ کے بول چال میں استعمال کرنے لگے۔ اہل وطن کو پہلی بار احساس ہوا کہ اردو زبان اسکرین پر کیا جادو جگا سکتی ہے۔

'شیریں فرہاد' پہلی ہندستانی فلم تھی جسے آر سی اے فوٹو فون ریکارڈنگ مشین پر تیار کیا گیا تھا۔ میڈن تھیٹرز کمپنی کلکتہ تکنیک کے اعتبار سے بمبئی کے فلمی اداروں سے کہیں آگے تھی۔ اس کامیابی کا سبب یہ تھا کہ اس کمپنی نے اپنے ٹیکنیکل اسٹاف کے بھی ماہرین بیرونی ممالک سے بلوائے تھے۔ کجن نے جب 'شیریں فرہاد' کے اپنے مکالمے ساؤنڈ ٹریک پر سنے تو حیران رہ گئی۔ اس نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس کی آواز اس قدر سُریلی ہے۔

کجن شاعری بھی کرتی تھی اور ادا تخلص رکھتی تھی۔ اس کا کلام کئی اخبارات و رسائل میں شائع ہوا کرتا تھا۔ ادبی حلقوں میں اس کی شاعری پر شک کا اظہار بھی کیا جاتا تھا اور در پردہ کہا جاتا تھا کہ جناب عنایت دہلوی (اڈیٹر ہفتہ وار 'چونچ') شگفتہ غزلیں لکھ کر کجن کو دیتے ہیں اور معاوضہ وصول کرتے ہیں، علاوہ ازیں انھیں معشوق کی قربت حاصل ہے اور دونوں مل کر عشق سے خوشی کرتے ہیں۔ یہ وہ دن تھے جب کجن کی شہرت نصف النہار پر تھی اور وہ خوب دولت کماتی تھی۔ جانور اور پرندے پالنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ جب بھی شوٹنگ کے لیے جاتی تو ایک بگھی میں خود بیٹھتی اور پاندان ساتھ رکھتی، دوسری بگھی میں اس کے پرندوں کے پنجرے ہوتے تھے۔

ایک دن کجن اپنی چار گھوڑوں والی بگھی میں بیٹھ کر سیر کو نکلی اور اس سڑک پر ہولی جو صرف گورنر اور اعلا سرکاری افسروں کے لیے مخصوص تھی۔ چناں چہ اس کا چالان ہوا اور عدالت نے اُسے کئی ہزار روپے جرمانے کی سزا دی جو کجن نے بلا حیل و حجت قبول کرلی۔ دن بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ایک فلم کی شوٹنگ کے دوران کافی بلندی سے فلم اسٹوڈیو کے فرش پر گری اور خاصی چوٹیں آئیں۔ ممتاز ڈاکٹروں نے اچھے سے اچھا علاج کیا مگر وہ پوری طرح ٹھیک نہ ہوسکی۔ علاج معالجے پر کافی بڑی رقم خرچ ہوئی۔ کام ملنا بند ہوچکا تھا بلکہ وہ کام کے قابل ہی نہ رہ گئی تھی۔ اخراجات کا وہی شاہی عالم تھا۔ آہستہ آہستہ ساری کمائی خرچ ہوگئی۔ فلمی لوگوں کے ساتھ ساتھ اس کے دوستوں اور مداحوں نے بھی منہ پھیر لیا۔ مسلسل علالت کے باعث اس کی شکل و صورت بگڑ گئی اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی۔ دن رات اس کی تعریفوں کے پل باندھنے والے دور بھاگ گئے۔ وہ مدد کے لیے فلم سازوں کو فون کرتی، وہ فلم ساز جنھوں نے اسے ہیروئن لے کر لاکھوں روپے کمائے تھے اس کی بات توجہ سے نہ سنتے اور سنتے بھی تو باتوں سے ٹال دیتے۔ کسی نے ایک پائی کی مدد نہ کی۔ دن تاریک اور راتیں مزید اندھیری ہوگئیں۔ وہ اللہ اللہ پکارتی مگر اس کی نحیف آواز عرش تک نہ پہنچتی۔ انتہائی تنگ دستی اور مفلسی کے عالم میں دم توڑا۔ کفن دفن کے لیے بھی گھر میں پوری رقم موجود نہ تھی۔ پڑوسیوں نے کچھ روپے اکٹھے کیے اور اس کا جنازہ گورستان تک پہنچایا۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی کیے دیتا ہوں کہ پنجابی نوجوان شیام جب ایکٹر بننے کے لیے بمبئی پہنچا تو پہلی بار اسے فلم 'مادھوری' کے لیے کجن کے ساتھ سائن کیا گیا تب وہ دُبلی پتلی اور خوش شکل تھی اور اس کے ساتھ کام کرنا خوش بختی تھی۔ شیام ایک ترقی پسند تعلیم یافتہ سوشلسٹ انسان تھا۔ اس نے جب کجن کے شاہانہ انداز دیکھے کہ کس طرح وہ دو بگھیوں کے ساتھ عازم سفر ہوتی ہے پاندان اور پرندوں کے بغیر اس کا گزارہ نہیں تو اس کا دل ڈول گیا۔ وہ یہ سوچنے لگا کہ کس طرح اس رنگین مزاج حسینہ کے ساتھ کام کرپائے گا۔ شکر خدا کا کہ فلم 'مادھوری' کا منصوبہ سرے نہ چڑھ سکا اور اعلان سے آگے نہ بڑھ سکا۔ شیام کو فکر سے نجات ملی۔ وہ قسمت آزمائی کے لیے لاہور چلا گیا جہاں اُسے ریتا کے ساتھ ایک پنجابی فلم 'گوانڈھی' میں کام کرنے کا موقع ملا۔ ریتا کا تعلق ایک قدامت پسند مسلم گھرانے سے تھا۔ وہ شہر کے وسط میں ایک گنجان علاقے میں رہتی تھی۔ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے وہ برقعہ پہن کر اسٹوڈیو جایا کرتی تھی تاکہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ ریتا سرو قد اور جاذب نظر تھی۔ اردو بخوبی جانتی تھی۔ اس کا تلفظ درست اور لہجہ صاف تھا۔ بمبئی میں منتقل ہونے اور مسلم معاشرے پر جتنی بھی فلمیں تیار ہوئیں ان میں سے بیشتر میں اسے کام ملا۔ اس نے اپنا تعلق ایک شاہی گھرانے سے جوڑا اور اپنے بھائی کو شہزادہ افتخار کے طور پر بمبئی کے فلمی حلقوں سے متعارف کرایا۔ اردو میں اس کی مہارت کا چرچا اکثر فلمی محفلوں میں ہوا کرتا تھا۔

مشہور افسانہ نگار اور رسالہ 'چندن' کے اڈیٹر پنڈت سدرشن کی ابتدائی زندگی بڑی مفلسی میں گزری اور انھیں مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے گرو منشی پریم چند کی طرح انھیں انتہائی غربت کے دن دیکھنے پڑے۔ ان کے نحیف سے جسم کو دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ انھیں پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ ان کی اتنی حیثیت بھی نہیں تھی کہ وہ بیک وقت ایک روپے کی لکڑی گھر میں چولہا جلانے کے لیے خرید سکیں۔ ایک بار تو حالات یہاں تک بگڑے کہ جب انھیں کسی پارٹی میں مدعو کیا جاتا تو وہ اپنی بیوی کے لیے بھی کچھ نہ کچھ وہاں سے اٹھالایا کرتے تھے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ سدرشن جی اور ان کی بیوی دو تین دنوں سے بھوکے تھے کہ کسی کی جانب سے شام کی چائے کا دعوت نامہ ملا۔ سدرشن خوشی خوشی وہاں گئے اور پارٹی کے اختتام پر دو لڈو آنکھ بچا کر جیب میں ڈال لیے۔ گھر پہنچ کر جب لڈو رفیق حیات کے سامنے رکھے تو وہ بولی "پھر ــــــ"۔

پنڈت سدرشن منشی پریم چند کے شاگرد تھے اور اپنے افسانوں پر ان سے اصلاح لیا کرتے تھے، چوں کہ منشی جی نے انھیں قلم پکڑنا سکھایا تھا اس لیے پنڈت جی ان کا اٹیچی اور سامان اٹھائے گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی نے کئی بار منع کیا کہ یہ اچھا نہیں لگتا مگر سدرشن جی جواب دیتے "ارے بھاگیہ وان یہ گرو کا آشیرواد ہی ہے کہ آج افسانے کی دنیا میں تمہارے پتی کا نام ہے۔"

فلمی دنیا میں اپنی جگہ بنانے کے لیے سدرشن کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ اسٹوڈیوز کے کئی چکر لگانے کے بعد آخر ایک دن ان کی ملاقات مشہور فلم ساز اور ہدایت کار سہراب مودی کے ساتھ ہوئی اور فلم 'سکندر' کا اسکرپٹ لکھنے کے لیے ان سے معاہدہ ہوا۔ فلم ریلیز ہوئی تو اُسے بے مثال کامیابی ملی۔ جاندار کہانی اور زوردار اردو مکالموں کے باعث لوگوں نے بار بار اس فلم کو دیکھا۔ اس فلم نے مودی کو اتنی موٹی رقم اکٹھی کرکے دی کہ ان کی کمپنی منروا مووی ٹون کی مالی بنیادیں مستحکم ہوگئیں اور وہ اپنے دور کا عظیم ادارہ بن گیا۔ اس کا دبدبہ اتنا مضبوط ہوگیا کہ ہندستان کے ہر بڑے شہر کا ایک سینما گھر منروا ٹاکیز کے نام سے منسوب ہوگیا۔ 'سکندر' کا ڈراما آج بھی جب کسی اسٹیج پر کھیلا جاتا ہے تو اس میں پنڈت سدرشن کے اردو مکالمے ہی دہرائے جاتے ہیں۔

سہراب مودی سدرشن کی کارکردگی سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے ان سے پہلے 'پتھروں کا سوداگر' اور بعد میں 'پرتھوی ولبھ' کا اسکرپٹ لکھنے کو کہا۔ منروا مووی ٹون کے ساتھ وابستگی کے باعث پنڈت سدرشن کی مفلسانہ زندگی ختم ہوگئی اور انھوں نے بقیہ زندگی آرام کے ساتھ گزاری۔ فلم 'بھاگیہ چکر' بھی انھوں نے ہی لکھی تھی۔ انھوں نے کل ۲۵ فلموں کی کہانیاں، گیت اور مکالمے لکھے۔

ایک زمانہ تھا جب نغمہ نویس ڈی این مدھوک کو فلم نگری بمبئی میں مہاکوی مدھوک کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ وہ ایک اچھے کہانی کار اور مکالمہ نویس تھے اور انھوں

نے ان گنت فلموں کے اسکرپٹ لکھے۔ لگ بھگ 30 برس تک وہ فلمی دنیا پر چھائے رہے اور انھوں نے انڈسٹری کو کتنی ہی ہٹ فلمیں دیں۔ فنی اعتبار سے وہ ایک معمولی قسم کے شاعر تھے لیکن فلم 'رتن' کے گانوں کی مقبولیت نے انھیں شہرت کے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ یہ فلم ۱۹۴۵ء میں تیار ہوئی تھی اور اس نے لاہور کے پربھات سینما میں لگاتار 54 ہفتے چل کر پنجابی فلم 'منگتی' کا ریکارڈ بھی توڑ دیا تھا جو اسی سینما ہاؤس میں 52 ہفتے یعنی ایک سال چلی تھی۔ 'رتن' کا میوزک نوشاد نے دیا تھا اور اس فلم میں کرن دیوان اور سورن لتا نے لیڈنگ رول ادا کیے تھے۔ میوزک اس قدر وجد آور تھا کہ اس کے گراموفون ریکارڈ ایک لاکھ سے بھی زیادہ تعداد میں فروخت ہوئے اور نوشاد کو موسیقار اعظم کا رتبہ ملا۔

فلم 'رتن' کی نمایاں کامیابی سے فلمی دنیا میں مدھوک کی مانگ بڑھ گئی اور ہر پروڈیوسر اور ڈائرکٹر اُن کے پیچھے بھاگنے لگا۔ وہ ایک معروف ترین شخصیت بن گئے۔ ملاقاتیوں سے وہ ویسے بھی گھبراتے تھے اور کام کے اوقات میں ملاقاتیوں کا آنا انھیں سخت ناگوار گزرتا تھا۔ پیچھا چھڑانے کے لیے انھوں نے اپنے ملازم سے کہہ رکھا تھا کہ وہ کسی کو گھر کے اندر نہ آنے دے اور سب سے یہی کہے کہ مدھوک گھر پر نہیں ہیں البتہ جو شخص پان کی گلوری لائے اُسے اندر آنے کی اجازت دے دی جائے۔ یہ ترکیب مدھوک کے قریبی دوستوں کو ہی معلوم تھی اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

اتفاق سے ایک پروڈیوسر کو اس ترکیب کا پتا چل گیا۔ وہ کئی دنوں سے بھاگ دوڑ کر رہا تھا کہ کسی طرح مدھوک اس کی اگلی فلم کے گانے لکھنے پر رضامند ہو جائیں لیکن مدھوک اس سے بچنا چاہتے تھے کیوں کہ وہ ایک ناکام اور فیل شدہ پروڈیوسر تھا۔ اس کی فلم ہاتھ میں لے کر وہ کوئی رسک لینا نہیں چاہتے تھے۔ خیر ایک روز پروڈیوسر مدھوک کے گھر پہنچ گیا۔ نوکر کو بلا کر پان کی ایک گلوری دی اور کہا کہ مدھوک ہی کو پیش کر دو۔ گلوری دیکھ کر مدھوک نے پروڈیوسر کو اندر بلا لیا مگر اس کی شکل دیکھتے ہی دنگ رہ گئے اور زیر لب "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" کا ورد کرنے لگے۔ خیر کسی نہ کسی طرح ٹرخا کر اُسے رخصت کیا۔ اُس دن کے بعد مدھوک نے پان کی گلوریوں کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

مدھوک کے گیتوں میں شاعری کم اور تک بندی زیادہ ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے لاہور میں بننے والی ایک فلم 'دھمکی' کے لیے ایک گانا لکھا جس کے بول یوں تھے:

ایک تھی لیلیٰ ایک تھا مجنوں
دونوں کی ہو گئی آپس میں یوں یوں

فلم ڈائرکٹر نے پوچھا "حضور! اس یوں یوں کا کیا مطلب ہے؟" مدھوک چونک گئے اور کہنے لگے "یوں یوں کا مطلب ہے بس یوں یوں" اس پر زور کا قہقہہ پڑا۔ گانا فلمایا گیا اور اپنی پیاری دھن کی وجہ سے ہٹ ہوا۔

یہ وہی مدھوک تھے جو بقول سعادت حسن منٹو لاہور میں نوآموز اداکارہ کلدیپ کور کو اپنے پریم کی ڈور میں باندھنے کی کوشش کرتے رہے مگر کلدیپ بڑی شاطر تھی وہ ان کے قابو میں نہیں آئی۔ بمبئی میں مہاکوی جی نے نگار سلطانہ کو شیشے میں اتارا اور اُس کے شاعرانہ مزاج کے پیش نظر اس کے قدردان بن گئے۔ پہلے نگار کو فلم 'دلا' میں ہیروئن کا چانس دیا۔ ان دنوں نگار جدوجہد کے ابتدائی دور میں تھی اور فلمی دنیا میں اپنی پہچان بنانے کی تگ و دو میں لگی ہوئی تھی۔ جے راج اس فلم کا ہیرو تھا اور یہ کچھ چل نکلی۔ اس کے بعد مدھوک نے نگار کو لے کر خاموش سپاہی بنائی جو تحریک آزادی کے ایک گمنام سپاہی کی کہانی تھی۔ اس فلم میں نگار نے کمال کی اداکاری کر دکھائی تھی۔ کیمرہ مین اور میک اپ ماسٹر نے نگار کو ملکۂ حسن بنا کر پیش کیا مگر فلم فلاپ ہو گئی کیوں کہ تنہا ہیرو سوہن بالکل ناکام ثابت ہوا۔ نگار اور مدھوک کے روابط میں گرم جوشی نہ رہی۔ یہ فلم بنا کر مدھوک زبردست مالی خسارے میں رہے اور اُن کے عروج کا ستارہ مدھم پڑ گیا۔

دل کشی کا یہ دور مختصر رہا۔ ۱۹۵۱ء میں کرشنا مووی ٹون کی بڑی فلم 'ترانہ' مدھوک کے ہاتھ لگی جس کے ہدایت کار رام دریانی اور موسیقار انل بسواس تھے۔ اس فلم میں دلیپ کمار، مدھوبالا اور شیاما نے کام کیا تھا۔ مکالمے مدھوک نے ان تینوں کی شخصیت اور مزاج کو مدنظر رکھ کر ٹھیٹ اردو میں لکھے تھے۔ یہ مکالمے اس قدر جذباتی اور رومانی تھے کہ لوگ عش عش کر اٹھے۔ ایسے عمدہ مکالمے فلم 'جل' کے بعد عوام کو سننے کو ملے تھے۔ کئی تماش بینوں نے فلم اتنی بار دیکھی کہ انھیں پورے مکالمے ازبر ہو گئے۔ بعد ازاں ۱۹۵۶ء میں فلم 'ڈھاکے کی ململ' تیار ہوئی جس کے ہدایت کار جے کے نندہ تھے۔ وہ اردو کے دیوانے تھے۔ انھوں نے مدھوک سے کہا کہ مجھے خالص اردو اسکرپٹ درکار ہے کیوں کہ یہ فلم اردو کے سہارے کے بغیر بن ہی نہیں سکتی۔ اُدھر فلم کے میوزک ڈائرکٹر او پی نیر نے زور ڈالا کہ مجھے بلند پایہ شاعرانہ نغمے درکار ہیں جو فلم کے پس منظر کے ساتھ انصاف کر سکیں۔ خیال رہے کہ 'ڈھاکے کی ململ' کی کہانی کا تعلق بنگال کے اُن دستکاروں سے تھا جن کی بنائی ہوئی ململ کا پورا تھان ایک انگشتری میں سے گزر جاتا تھا۔ یہ ہندستان میں انگریزوں کے ابتدائی دور کی داستان تھی۔ مدھوک نے شب و روز کی محنت کے بعد اردو کا اپنا سارا علم اس فلم کے گیتوں اور مکالموں میں سمو دیا اور ثابت کر دکھایا کہ وہ اردو میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ موسیقار او پی نیر کا تعلق پنجاب سے تھا۔ وہ دیال سنگھ کالج لاہور کے طالب علم تھے اور وہاں علامہ تاجور نجیب آبادی سے اردو کا درس لیتے تھے۔ وہ علامہ کے عقیدت مند اور اردو کے شیدائی تھے۔ لاہور کی ادبی محفلوں میں باقاعدہ سے شرکت کرتے تھے۔ اُن کا پورا نام اوم پرکاش نیر تھا۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کے مختلف شعبوں اور اشخاص کی ای میل آئی ڈیز

انجمن ترقی اردو (ہند) کے مختلف شعبوں اور متعلقہ اشخاص کی نئی ای میل آئی ڈیز درج ذیل ہیں۔ محبان اردو اور خیر خواہان انجمن سے درخواست ہے کہ اب وہ انجمن کے مختلف شعبوں کے متعلقہ اشخاص سے اُن کے ای میل پتے پر ہی رابطہ کریں۔ پرانی ای میل آئی ڈی ساقط کر دی گئی ہے۔

- صدر (صدیق الرحمٰن قدوائی): president@anjumantaraqqiurduhind.org
- نائب صدور (سید شریف الحسن نقوی اور خلیق انجم): vicepresident@anjumantaraqqiurduhind.org
- جنرل سکریٹری (اطہر فاروقی): gen.secretary@anjumantaraqqiurduhind.org / ather.farouqui@anjumantaraqqiurduhind.org
- ہماری زبان: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
- بک ڈپو: bookdepot@anjumantaraqqiurduhind.org
- مدیر سہ ماہی 'اردو ادب' (اسلم پرویز): aslam.parvez@anjumantaraqqiurduhind.org
- اکاؤنٹ آفیسر (مظہر عباس نقوی): mazahr.naqvi@anjumantaraqqiurduhind.org
- ایڈمنسٹریٹو آفیسر (ثاقب صدیقی): saquib.siddiqui@anjumantaraqqiurduhind.org
- ایڈمنسٹریٹو آفیسر اور لائبریرین (شاہد خاں): shahid.khan@anjumantaraqqiurduhind.org
- انچارج بک ڈپو اور آرکائیوز (انیس احمد): anis.ahmed@anjumantaraqqiurduhind.org
- شریک مدیر 'ہماری زبان' (محمد عارف خان): arif.khan@anjumantaraqqiurduhind.org
- پی۔ اے۔ ٹو جنرل سکریٹری (جاوید رحمانی): jawaid.rahmani@anjumantaraqqiurduhind.org

آنجہانی راجندر کرشن اپنے دور کے کامیاب فلمی گیت کار اور مکالمہ نویس تھے۔ وہ شملہ میں سرکاری ملازم تھے۔ ایک روز مال روڈ پر موسیقار رام چندر سے اُن کی ملاقات ہوئی اور وہ انھیں بمبئی لے گئے۔ راجندر کرشن نے ایک سو سے بھی زائد فلموں کے نغمے لکھے۔ مدراس کے فلم ساز خاص طور سے اُن کے مداح تھے اور انھیں گیت لکھنے کا معاوضہ بمبئی کے فلم پروڈیوسروں سے زیادہ ادا کرتے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ موصوف کی شرکت کے بغیر فلم بنانا ہی پسند نہیں کرتے تھے، انتظار کرتے رہتے تھے کہ کب وہ فارغ ہو کر اُن کی پروڈکشن کے لیے گیت اور مکالمے لکھنے کا وقت نکالیں۔ جب وہ کسی صورت میں ہاتھ نہ آتے تو پھر مدراسی پروڈیوسروں کی دوسری چوائس دشوار احمر عادل ہوا کرتے تھے جو اردو کے مانے ہوئے ترقی پسند فلم کار تھے۔

راجندر کرشن کا گانے لکھنے کا انداز نرالا تھا۔ عموماً وہ بس یا ٹرین میں بیٹھے بیٹھے گیت لکھا کرتے تھے۔ آدھی پنسل کا ٹکڑا ہمیشہ اُن کی جیب میں رہتا تھا۔ جب لکھنے کا موڈ طاری ہوتا تو وہ سگریٹ کی خالی ڈبیا پھاڑتے اور پنسل سے اُس کی پشت پر شعر لکھنا شروع کر دیتے، ساتھ ہی ساتھ گنگناتے رہتے اور اگلا مصرع سوچنا شروع کر دیتے۔ اس طرح دوران سفر گیت مکمل ہو جاتا۔

ایک بار جب پاکستان کے ممتاز فلمی نغمہ نویس ریاض الرحمٰن ساغر بمبئی گئے تو راجندر کرشن نے بھی اُن کی میزبانی کی۔ دوران گفتگو راجندر کرشن نے انھیں بتایا کہ انھوں نے حفیظ جالندھری کا ایک مصرعہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ فلمستان لمیٹڈ کی فلم 'انارکلی' (ستارے: بینا رائے، پردیپ کمار) میں استعمال کیا۔ حفیظ کا مصرع تھا: "جاگ سوزِ عشق جاگ" جسے انھوں نے "جاگ دردِ عشق جاگ" بنا لیا۔ فلم میں یہ نغمہ ہیمنت کمار نے گایا تھا۔ موسیقی سی۔ رام چندر کی تھی۔ اسے دربار اکبری کے ایک گویّے کے ذریعے پردۂ سیمیں پر پیش کیا گیا تھا اور یہ فلم کے دیگر نغموں کی طرح خاص و عام میں بڑا مقبول ہوا تھا۔

راجندر کرشن نے مزید کہا کہ انھوں نے حفیظ کا یہ مصرعہ بطور تبرک استعمال کیا تھا مگر بعد میں انھیں پتا چلا کہ حفیظ صاحب شاکی ہیں اور انھیں بہت دکھ پہنچا ہے کہ ہندستانی گیت کار نے اُن کا مصرعہ بلا اجازت چرا لیا ہے۔ راجندر کرشن نے ریاض الرحمٰن ساغر کے ذریعے حفیظ کو پیغام بھجوایا کہ میں نے آپ کا ایک مصرعہ لیا ہے، آپ اس کے عوض وہ پورا مکان لے لیں جو میں موضع جلال پور جٹاں (مغربی پنجاب) میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ جلال پور جٹاں کا ذکر آیا تو یہ بھی جان لیجیے کہ اردو کے ایک مشہور صحافی کا تعلق بھی اسی قصبے

(بقیہ صفحے پر)

اردو دُنیا

ماہر زبان نہ ہونے سے آکاش وانی کے اردو پروگرام متاثر

نئی دہلی (۵ دسمبر)۔ حکومت نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مستقل ملازمین نہ ہونے اور ماہر زبان نہ ہونے سے اردو کے پروگراموں کی کوالٹی پر اثر پڑتا ہے۔ اطلاعات ونشریات کے وزیر منیش تیواری نے کہا کہ آل انڈیا ریڈیو (آکاش وانی) کے اردو پروگرام کی کوالٹی پر مستقل ملازمین کے درمیان ماہر زبان نہ ہونے کی وجہ سے اثر پڑتا ہے لیکن پروگرام کی سیکنڈ شفٹ ملازمین کو لے کر اور آؤٹ سورسنگ کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ آل انڈیا ریڈیو دہلی کی اردو سروس اور پروگراموں کی نشریات کا وقت ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں محض آدھے گھنٹے کا تھا لیکن اب یہ پورے 24 گھنٹے کا ہوگیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ملازمین کی کمی کا اہم سبب یہ ہے کہ ۱۹۹۷ء میں پرسار بھارتی تشکیل کیے جانے کے بعد سے اب تک بہت کم تقرریاں کی گئی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آل انڈیا ریڈیو میں یکم جنوری ۲۰۱۲ء کی صورت حال کے مطابق مختلف زمروں کی 8482 اسامیاں خالی تھیں۔ راست بھرتی کرنے کے تحت حکومت نے حال ہی میں 1150 عہدوں کی بھرتی کے لیے پرسار بھارتی کو منظوری دے دی ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک ہو رہا ہے

اعظم گڑھ (۹ دسمبر)۔ ہم حکومت کے خلاف نہیں لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک ہو رہا ہے اس لیے ہم اپنا حق پانے کے لیے ہر ممکن اقدام کریں گے۔ مذکورہ باتیں آج شبلی کالج کے شعبہ اردو کے صدر ڈاکٹر شباب الدین نے ضلع مجسٹریٹ کے توسط سے وزیر اعلا کے نام پانچ نکاتی میمورنڈم دینے کے بعد اخباری نمائندوں سے کہیں۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ وزیر اعلا کو اتر پردیش کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تقریباً نو ماہ گزر چکے ہیں پھر بھی اردو اکادمی اور فخرالدین علی احمد کمیٹی کے چیئرمین و اراکین کی نامزدگی ابھی تک عمل میں نہیں آئی جس کا ہمیں افسوس ہے جب کہ اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان ہونے کا شرف حاصل ہے اور وزیر اعلا سمیت ان کی پارٹی کے اعلا کمان لیڈران بار بار اردو کی ترقی کا دم بھی بھرتے رہتے ہیں پھر بھی اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا جا رہا ہے۔ بزم فروغ اردو کے سکریٹری جناب ابوراضی نے کہا کہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اقلیتوں کی بڑی اکثریت کی حمایت کے نتیجے میں سماج وادی پارٹی کو کامیابی ملی تھی جس کا لوگ اعتراف بھی کر چکے ہیں پھر بھی اردو زبان کے لیے سوتیلا سلوک سمجھ سے بالاتر ہے۔ مرزا شان عالم بیگ نے کہا کہ زمانہ قدیم سے اردو کی تعمیر وترقی کے لیے اردو طبقہ کوشاں رہا ہے۔ اس صوبے میں حکومت چاہے کسی بھی پارٹی کی رہی ہو اردو کے ساتھ ہمیشہ سوتیلا سلوک ہوتا رہا ہے لیکن سماج وادی پارٹی کے دور حکومت میں اردو داں طبقہ محسوس کرتا ہے کہ ان کے پاس ان کی زبان کے ساتھ کوئی تفریق نہیں ہوگی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن کے وفد نے بیسک ایجوکیشن افسر سے ملاقات کی

باپوڑ (۱۳ دسمبر)۔ ضلع باپوڑ بننے کے بعد ضلع غازی آباد سے آنے والے اساتذہ کے تبادلے نہ ہونے اور ہائی کورٹ کا حکم ہونے کے بعد عمل نہ کرنے پر اتر پردیش اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن کا ایک وفد بیسک ایجوکیشن افسر سے ملا۔ تفصیلات کے مطابق اتر پردیش اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن کے ضلع سکریٹری محمد اعظم خاں نے بتایا کہ ۲۸ ستمبر کو ضلع غازی آباد سے باپوڑ کو الگ ضلع تشکیل دیا گیا تھا، اس دوران ضلع غازی آباد سے 300 ٹیچرس باپوڑ، دھولانہ، سمبھاولی اور گڑھ مکتیشور پڑھانے کے لیے آتے ہیں، لیکن ان ٹیچرس نے ضلع بننے کے بعد افسران سے رابطہ کرکے غازی آباد میں ٹرانسفر کرنے کی درخواست کی لیکن ان کا تبادلہ نہیں ہوا، اس لیے اساتذہ ہائی کورٹ چلے گئے، جہاں انھیں راحت ملی۔ انھوں نے بتایا کہ ہائی کورٹ کے احکامات ہونے کے بعد دونوں ضلع کے اساتذہ سے ملازم تو مطمئن ہو گئے لیکن تین ماہ گزر جانے کے بعد بھی کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی۔

(انقلاب۔ دہلی)

ساہتیہ اکادمی کا ترجمے کا انعام اطہر فاروقی کو دیا گیا

کسی بھی زبان سے اردو میں ترجمہ کیے جانے والے پلے کو ملنے والا پہلا انعام

نئی دہلی (۲۰ دسمبر)۔ ساہتیہ اکادمی نے اپنے سالانہ انعامات کا اعلان کر دیا ہے جن میں اردو ترجمے کا انعام مشہور دانشور اور انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کو ان کے معرکہ آرا ترجمے 'بابر کی اولاد' پر دیا گیا ہے جو سلمان خورشید کے انگریزی پلے Sons of Babur کا اردو ترجمہ ہے۔ اطہر فاروقی نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے 1995 میں اردو زبان کے سیاسی وسماجی محرکات پر پی ایچ ڈی کی۔ اس سے پہلے دہلی میں اردو تعلیم کے موضوع پر انھوں نے ایم فل کا مقالہ بھی ہے۔ این۔ یو۔ میں لکھا تھا۔ 1۔ نومبر 2012 کو ان کا تقرر انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر ہوا۔ آزادی کے بعد ہندستان میں اردو کے نام پر ہونے والی مسلم شناخت کی سیاست پر اطہر فاروقی نے اردو، ہندی اور انگریزی میں بے انتہا لکھا ہے۔ اس موضوع پر ان کی مستند حیثیت بین الاقوامی علمی حلقوں میں جلد ہی تسلیم کر لی گئی تھی۔ جے این یو میں داخلہ لینے تک ان کی علمی دل چسپی ادب میں بھی تھی مگر ایم فل ختم کرتے کرتے انھوں نے خود کو ادب کے قاری تک محدود کر لیا۔ ادب کے دائرے میں آنے والا انگریزی پلے سنس آف بابر کا اردو ترجمہ 'بابر کی اولاد' برسوں بعد ان کے قلم سے نکلنے والی ایسی تحریر تھی جو ادب کے دائرے میں آتی ہے۔ ادب کے بجائے سوشل سائنسز کے طرز پر اپنی تمام تر علمی توجہ مرکوز کر دینے کے باوجود اطہر فاروقی کی اردو کتابوں کی بھی غیر معمولی پذیرائی ہوئی اور ان کی انگریزی کتابیں تو اپنے موضوعات پر text books کی حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔ اردو میں [illegible] ان کی (2006) انجمن ترقی اردو (ہند) سے شائع ہو کر بے پناہ مقبول ہوئی۔ انجمن ہی نے ان کی دو کتابیں 'اردو سیاست کی تفہیم نو' اور 'نامکمل' شائع کیں۔ ان کی ایک اور کتاب 'زبیدہ حسن خاں: ایک مطالعہ' مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے شائع ہوئی تھی۔ Muslims and Media Images کے عنوان سے اطہر فاروقی کی ایڈٹ کی ہوئی کتاب Oxford University Press نے 2009 میں شائع کی، جو دنیا بھر میں بے پناہ مقبول ہوئی۔ اس سے پہلے 2006 میں اسی معتبر پبلشنگ ادارے نے ان کی معرکہ آرا کتاب Redefining Urdu Politics in India شائع کی تھی۔ یہ دونوں کتابیں اب پیپر بیک میں دستیاب ہیں اور ان کے متعدد ایڈیشنس شائع ہو چکے ہیں۔ 2002 میں اطہر فاروقی نے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا تھا، جس کا مرکزی خیال اقلیتی زبانوں کے گرد گھومتا تھا۔ نہایت اعلا پایے کی یہ چار روزہ کانفرنس اردو سے متعلق ہندستانی سیاست اور قومی قیادت ہی نہیں، علمی فکر کو بھی دیر تک متاثر کرے گی۔ اطہر فاروقی کو ساہتیہ اکادمی کا مستند ترجمہ ایوارڈ اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ کسی دوسری زبان سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ایسا پہلا ڈرامہ ہے جسے یہ اعزاز حاصل ہوا۔

اطہر فاروقی نے اس نہایت کامیاب ترجمے کے ساتھ اردو تھیٹر کو مین اسٹریم تھیٹر سے جوڑ دیا ہے۔ اس سے پہلے اردو کے کسی پلے کو اتنی زیادہ پذیرائی کا شرف تھیٹر کے ان شائقین میں بھی حاصل نہیں ہوا جو بالعموم انگریزی تھیٹر کی دلدادہ ہیں مگر اس ترجمے نے انگریزی متن کو کہیں پیچھے چھوڑ دیا اور انگریزی تھیٹر دیکھنے والوں سے بھر پور داد لی۔ پلے کے دو اولیں نہایت کامیاب شوز دہلی پبلک اسکول جدہ اور ریاض سعودی عرب میں ہوئے تھے۔ کسی ہندستانی پلے کی سعودی عرب میں یہ پہلی پروڈکشن تھی۔ گزشتہ دو برسوں میں اس پلے کے 30 سے زیادہ شوز ہندستان کے مشہور ترین آڈیٹوریم میں منعقد ہو چکے ہیں اور ایک بھی ایسا شو نہیں ہوا جس میں آڈیٹوریم پوری طرح پیک نہ ہو۔ دہلی کے سری فورٹ آڈیٹوریم اور ممبئی کے NCPA کے ہومی بھابھا آڈیٹوریم — جس میں سیٹوں کی تعداد 1600 ہے، کے علاوہ پلے کے چار شوز FICCI نئی دہلی کے عظیم الشان آڈیٹوریم میں ہوئے۔ دو کامیاب شوز سالار جنگ میوزیم حیدرآباد، کلا کیندر گوا میں بھی منعقد ہوئے۔ اس کے علاوہ راشٹرپتی بھون میں پلے کا ایک شو کیا گیا جس میں تمام صوبوں کے گورنر، دہلی کے ڈائرکٹر اور سینئر بیوروکریٹس شامل تھے۔ انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز نے پلے کا ایک نہایت کامیاب شو اپنے آڈیٹوریم نئی دہلی میں کیا تو دوسرا ۱۰۔۱۱ اکتوبر 2012 کو بھارتیہ ودیا بھون لندن میں جو نہایت کامیاب شو تھا۔

☆☆☆

ایچ ڈی ایف سی کے اے ٹی ایم میں اب اردو بھی شامل

نئی دہلی (۹ دسمبر)۔ ایچ ڈی ایف سی (ہاؤسنگ ڈیولپمنٹ فائنانس کارپوریشن) بینک نے شمالی ہند میں اپنے اے ٹی ایم میں اختیاری زبان کے طور پر اردو کو بھی شامل کر دیا ہے، پہلے اس بینک کے اے ٹی ایم میں علاقائی زبان کے طور پر انگلش، ہندی اور متعلقہ علاقے کے اعتبار سے وہاں کی زبان درج ہوتی تھی، جب کہ شمالی ہند میں ایسا نہیں تھا، مگر اب یہاں اردو کو بھی داخل کر دیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ زبان کو داخل کرنے کی بنیاد علاقے میں رائج سرکاری زبان کے اعتبار سے ہے، جیسے دہلی اور بہار میں اردو دوسری زبان ہے، اسی لیے ان صوبوں میں انگلش، ہندی اور تیسری زبان کے طور پر اردو کو شامل کیا گیا ہے۔ ایچ ڈی ایف سی کے اس اقدام سے اردو داں حلقوں میں خوشی ہے۔ واضح رہے کہ ملک بھر میں ایچ ڈی ایف سی کی 2554 شاخیں اور تقریباً 10 ہزار اے ٹی ایم ہیں۔ یہ بینک ہندستان کے تقریباً 1399 شہروں میں کاروبار کر رہا ہے۔ اردو داخل کرنے سے جہاں اردو والوں کو آسانی ہوتی ہے وہیں اردو اب کارپوریٹ سیکٹروں میں بھی بطور زبان استعمال ہونے لگی ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

اردو زبان کو فروغ دینے کے لیے کمیشن بنایا جائے

حکومت و سرکاری افسران سے اردو اخبارات کو اشتہار دینے کا مطالبہ

سندیلہ (۱۳ دسمبر)۔ سماج وادی پارٹی کی حکومت جہاں ایک طرف اردو زبان کو فروغ دینے کا اعلان کرتی ہے اور اسمبلی سے لے کر پارلیمنٹ تک اردو کی حمایت میں پارٹی کے اسمبلی و رکن پارلیمنٹ اردو کو سرکاری کام کاج کی دوسری زبان کا درجہ دیے جانے کے لیے آواز بلند کرتے ہیں وہیں دوسری جانب ریاست میں سماج وادی پارٹی کی حکومت کے افسران اردو زبان کی مخالفت کرتے ہیں۔ ضلع انتظامیہ سے لے کر تحصیل اور بلاک افسران و ملازمین اردو کی مخالفت کرتے ہیں اور سرکاری محکمے اردو اخبارات کو اشتہار نہیں دیتے اور نہ ہی نامہ نگاروں کو محکمے کے جلسوں میں مدعو کیا جاتا ہے۔ سرکاری محکمے کے ٹینڈر، نوٹس اور دیگر اشتہارات و پیغامات صرف ہندی اخباروں کو دیے جاتے ہیں۔ یہ اشتہارات ایسے اخباروں کو دیے جاتے ہیں جن کا نام عوام جانتے تک نہیں۔ مقامی تحصیل کے ایس ڈی ایم، بی ڈی او، تحصیل دار، پی ڈی او اور دیگر محکمے کے افسران نے اردو اخبارات کو کبھی اشتہار نہیں دیے۔ جب نامہ نگار اخبار کے اشتہار کا مطالبہ کرتے ہیں تو افسران کہتے ہیں کہ اردو کون پڑھتا ہے اور اردو میں اشتہار دینے کا کوئی قانون نہیں ہے۔ سماج وادی پارٹی کی حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ ایسا قانون نافذ کرے، جس کے ذریعے اردو اخبارات کو بھی اشتہارات اور اطلاعات دیے جائیں۔

(آگ۔ لکھنؤ)

سرکاری اسکولوں میں بچے اردو کی تعلیم سے محروم

میرٹھ (۱۳ دسمبر)۔ میرٹھ کے پرائمری اور جونیئر سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچے اردو پڑھنے سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ محکمۂ تعلیم میں چل رہے اساتذہ کے ایڈجسٹمنٹ سے کافی اسکولوں میں اردو اساتذہ کے عہدے خالی ہوگئے ہیں اور اردو اسکولوں میں ہی اردو زبان کے استاد کم پڑنے لگے ہیں۔ یہ بحران زیادہ تر مسلم اکثریتی علاقوں میں سامنے آیا ہے جس کا خمیازہ بچوں کو اٹھانا پڑ رہا ہے۔

اصولوں کے مطابق اسکولوں میں پڑھنے والے 30 مسلم بچوں پر ایک اردو کا استاد ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی اسکول میں دس بچے بھی اردو والے ہیں تو ان پر بھی اردو استاد ہونا چاہیے۔ میرٹھ ضلع میں 12 بلاک ہیں، ان میں تقریباً 1398 پرائمری اور جونیئر اسکول ہیں۔ ان اسکولوں میں تقریباً 945 جونیئر اور 353 پرائمری اسکول ہیں۔ شہر کے علاوہ مسلم اکثریتی بلاک ماچھرا کے ایک ہی اسکول میں تقریباً 132 سے لے کر 220 طالب علم ہیں جن میں سے چار پانچ کو چھوڑ کر تمام طلبہ اردو والے ہیں، لیکن ان پر صرف ایک یا دو ہی اردو ٹیچر ہیں۔ ریاست کے پروجیکٹ ڈائرکٹر کی ہدایت کے مطابق اگر کسی استاد کو اردو کے عہدے سے ہٹا بھی دیا گیا ہو تو اس کی جگہ دوسرے کی تقرری کی جائے۔

میرٹھ ضلع میں چار ہزار مسلم اساتذہ کی تقرری حال ہی میں کی گئی ہے جن میں سے تقریباً پچاس فیصد اساتذہ ایسے ہیں جو ایسے اسکولوں میں پڑھا رہے تھے جہاں زیادہ تر اردو پڑھنے والے ہی طالب علم ہیں، لیکن انھیں ایڈجسٹمنٹ کے نام پر ان اسکولوں میں تبادلہ کردیا گیا ہے جہاں اردو پڑھنے والے طالب علم ہی نہیں ہیں۔ اردو اساتذہ کا کہنا ہے کہ جن اسکولوں میں وہ اردو پڑھا رہے تھے انھیں واپس اسی میں بھیج دیا جائے تاکہ اردو پڑھنے والے بچوں کا نقصان نہ ہو۔ بیسک تعلیم افسر جوگیندر سنگھ یادو کا کہنا ہے کہ اردو اساتذہ کا مسئلہ باعث تشویش ہے اور جلد ہی اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے مناسب قدم اٹھایا جائے گا۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

جہانگیر جوہر شاعر برار کے ایوارڈ سے سرفراز

اکولہ (پریس ریلیز)۔ کل ہند بزم ادب و ثقافت کی جانب سے اس سال دوسرے شاعر برار ایوارڈ کے لیے جناب جہانگیر خاں جوہر کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ ایوارڈ دس ہزار روپے نقد، شال اور میمنٹو پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر محبوب راہی اور مولوی محمد رفیق ندوی کے ہاتھوں یہ ایوارڈ پیش کیا گیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، ڈاکٹر سید صفدر، ڈاکٹر رحمت اللہ جاوید اور ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن کو بھی ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں شال اور میمنٹو پیش کیا گیا۔ (ساجد اختر)

اردو میڈیم مدارس پر غیر اردو اساتذہ کے تقررات کے خلاف احتجاج

حیدرآباد (۱۳ دسمبر)۔ جناب فاروق طاہر (جنرل سکریٹری اے پی پرائمری ٹیچرس اسوسی ایشن) نے اردو زبان کے ساتھ محکمۂ تعلیمات کے اعلا عہدیداران کے متعصبانہ رویے پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سرکاری مدارس میں اسکول اسسٹنٹ انگلش کی اسامی کے لیے واضح احکامات موجود ہونے کے باوجود غیر اردو داں اسکول اسسٹنٹ (انگلش) کو اردو مدارس پر تعیناتی کی راہ ہموار کرنا اردو زبان کے ساتھ ایک مجرمانہ سازش ہے۔ اے پی پرائمری ٹیچرس کا وفد جس میں شیخ افضل (صدر حیدرآباد)، ایم اے جبار (ریاستی سکریٹری) کے علاوہ محمد یٰسین، عبدالمنان، سی وشنو وردھن ریڈی نے ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن کی غیر موجودگی میں جوائنٹ ڈائرکٹر سر سری ہری سے ملاقات کرکے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ لیکن جوائنٹ ڈائرکٹر چونکہ اردو سے تعصب کی بنا پر غیر اردو اساتذہ کو اردو مدارس پر تعینات کرتے ہوئے اردو ذریعۂ تعلیم اور اردو زبان کو تباہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ قائدین آندھرا پردیش پرائمری ٹیچرس اسوسی ایشن نے ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن کو ان کی اردو دشمنی کے خلاف انتباہ دیتے ہوئے بتایا کہ اردو طبقہ اس ناانصافی کے خلاف احتجاج پر مجبور ہوجائے گا۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

آر ٹی سی بسوں پر اردو میں مقامات کے نام تحریر کرنے کا مطالبہ

حیدرآباد (۱۲ دسمبر)۔ جناب محمد عبدالستار نے اپنے ایک صحافتی بیان میں کہا کہ دورانِ سفر آر ٹی سی بسوں پر اردو تحریر نہیں رہنے سے اردو داں حضرات کے لیے کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے مگر آر ٹی سی بسوں کے سائن بورڈ پر اردو تحریر غائب ہے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت ایک طرف اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیتی ہے تو دوسری طرف اردو زبان کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ بسوں کے سائن بورڈ پر انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں بھی مقامات کے نام تحریر کیے جائیں تاکہ مسافروں کو سفر میں آسانی ہو۔ انھوں نے بسوں کے سائن بورڈ پر اردو زبان کو شامل کرنے کے لیے آر ٹی سی عہدیداروں سے پرزور مطالبہ کیا ہے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

آزادی کے بعد ملک میں اردو کو واجب حق نہیں ملا

جسٹس کاٹجو

علی گڑھ (۱۳ دسمبر)۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اردو جیسی شیریں اور پرکشش زبان کو واجب حق نہیں ملا۔ ہندوستان کی تہذیب اردو اور سنسکرت کی مشترکہ تہذیب ہے۔ خود اردو زبان ایک ملی جلی اور عوامی زبان ہے۔ ہمیں اپنے ذاتی مفادات کو نظر انداز کرکے اسی مشترکہ تہذیب میں رہ کر اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔ ان خیالات کا اظہار مہمان خصوصی جسٹس مارکنڈے کاٹجو (چیئرمین پریس کاؤنسل آف انڈیا) نے البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے منعقدہ تقریب میں کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہندوستان میں مختلف مذہب اور زبانوں کے بولنے والے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں مذہبی اور لسانی نیرنگیاں دیکھنے کو ملتی ہیں اور یہی ہندوستان کی اصل پہچان ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس ملک میں اتحاد، اخوت اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے میں صوفیائے کرام کے تعاون کو قطعی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس موقعے پر انھوں نے اپنے لسانی مہم پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہم جلد ہندوستان میں اردو بیداری کا کارواں بھی چلا رہے ہیں تاکہ اردو کو اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے مل سکے۔ اردو، سنسکرت ہی ہماری اصل تہذیب ہے اور اسے عوام تک پہنچانے کے لیے ہمیں اپنے نوجوانوں کی تربیت کچھ اس طرح کرنی ہوگی کہ تربیت اور تہذیبی آگہی حاصل کرنے کے بعد یہی نوجوان ایک ایسی فضا قائم کریں جس میں ان دونوں زبانوں کی مقبولیت کو ہندوستانی سماج میں روز افزوں ترقی ملے، نیز اس کی ترویج و اشاعت کا کام بہتر طریقے سے ہوسکے۔ اگر ہم فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور اتحاد کے ساتھ آگے بڑھتے رہے تو وہ دن دور نہیں کہ جب ہمارے ملک کا نام دنیا کے پانچ اہم ممالک میں ہوگا۔ اس موقعے پر وویک جنسل (ایم ایل سی) اور ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی نے بھی اظہار خیال کیا۔ البرکات پبلک اسکول کے استاد وحید الحق کی کتاب 'نقد و تجزیہ' کی رسم رونمائی بھی جسٹس مارکنڈے کاٹجو کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو اساتذہ کی اسامیاں روسٹر سسٹم سے مستثنیٰ قرار دینے کا مطالبہ

نرمل (۱۳ دسمبر)۔ اردو میڈیم اساتذہ کی اسامیوں کو روسٹر سسٹم سے مستثنیٰ قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے ٹرینڈ اردو میڈیم اساتذہ اور ڈی ایس سی ۲۰۱۲ء کے اہل امیدواروں نے ایک ریلی نکالی اور آر ڈی او کے غیاب میں دفتر سپرنٹنڈنٹ ہری کشن کو ایک یادداشت پیش کرتے ہوئے ڈی ایس سی ۲۰۱۲ء کے اردو اساتذہ کی اسامیوں کو جو روسٹر سسٹم کے تحت محفوظ قرار دیا گیا، عام زمرے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا۔ محمد ارشد علی نے کہا کہ ضلع عادل آباد میں روسٹر سسٹم کے تحت اردو اساتذہ کی اسامیوں پر عدم تقررات سے طلبہ کی تعلیم متاثر ہورہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ روسٹر سسٹم کو برخاست کرتے ہوئے ان اسامیوں کو پُر کیا جائے تاکہ طلبہ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جاسکے۔ انھوں نے کہا کہ ضلع عادل آباد میں اردو کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے والوں کی کثیر تعداد ہے۔ شیخ شبیر ٹرینڈ ٹیچر نے کہا کہ ریاستی حکومت جلد از جلد روسٹر سسٹم کو برخاست کرتے ہوئے ڈی ایس سی ۲۰۱۲ء کے اہل امیدواروں کا ان اسامیوں پر تقررات کرے۔ بصورت دیگر ضلع کے ٹرینڈ اساتذہ کی جانب سے بڑے پیمانے پر احتجاج منظم کیا جائے گا۔ ٹرینڈ اساتذہ نے ضلع کے اردو انجمنوں، فلاحی تنظیموں اور اقلیتی قائدین سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ حکومت پر دباؤ ڈالیں۔

(منصف۔ حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : ادب اور خواتین
(تحقیقی وتنقیدی مضامین)
مصنف : ڈاکٹر راحت سلطانہ
اشاعت : ۲۰۱۲ء
ضخامت : ۲۰۳ صفحات
قیمت : ۲۲۵ روپے
ملنے کا پتا : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۳۱۰۸، وکیل اسٹریٹ کوچہ پنڈت، لال کنواں دہلی-۱۱۰۰۰۶
تبصرہ نگار : دیپک بدکی

دکن خاص کر حیدرآباد اردو کا سرچشمہ رہا ہے۔ ابتدا سے آج تک اس سرزمین نے کئی نامور شخصیات کو جنم دیا ہے جیسے خواجہ بندہ نواز، نظامی، شاہ میراں جی، غواصی، وجہی، محمد قلی قطب شاہ، عبدالحق، زور، مخدوم وغیرہ۔ اسی طرح یہاں کی خواتین قلم کاروں مثلاً امتیاز، چندا (شاعری)؛ حبیب النساء بیگم، آمنہ خاتون (تحقیق)، بی اللہ دی زینت (صحافت)، صغرا ہمایوں مرزا (سماج سیوا) وغیرہ نے بھی گلستانِ اردو کی آبیاری کی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مٹی سے ابھرے ہوئے فنکاروں پر نہ صرف سنجیدگی سے تحقیق کی جائے بلکہ ان کی تصانیف کو ادبی میزان پر پرکھ کر ان کا صحیح مقام طے کیا جائے۔ ڈاکٹر راحت سلطانہ، جنھوں نے شاعری، تنقید نگاری، تحقیق اور رپورتاژ نگاری میں خاصا نام کمایا ہے، کی زیرِ نظر تصنیف اسی سمت میں اٹھایا گیا ایک مثبت قدم ہے۔ وہ اپنے مضامین میں خواتین کے حوالے سے دکن میں اردو کے ارتقا پر مختصر طور پر روشنی ڈالنے میں کامیاب ہو چکی ہیں۔ اس سے پہلے ان کا شعری مجموعہ 'چراغِ آرزو' منظرِ عام پر آ چکا ہے۔

کتاب میں بیس تحقیقی اور تنقیدی مضامین ہیں جن میں دس مضامین دکن کی ان خواتین سے متعلق ہیں جنھوں نے تحقیق، صحافت، شاعری، سماجی خدمات اور فکشن کے میدانوں میں شہرت حاصل کی ہے۔ ان کے علاوہ مسئلہ نسواں سے متعلق حالی کے خیالات اور پریم چند کے نسوانی کرداروں پر بھی خیال آرائی کی گئی ہے۔ چار مضامین عام موضوعات جیسے نعت گوئی، حمدیہ ونعتیہ شعراء حیدرآباد کی ادبی انجمنوں و تحقیقی اداروں اور وہاں کے نسوانی کلچر پر قلم بند کیے گئے ہیں۔ مزید تین مضامین مولانا محمد حسین آزاد، ڈاکٹر عبدالحق، اور مخدوم محی الدین کی شخصیت اور کارناموں سے منسوب ہیں جب کہ تین اور مضامین پدم شری پروفیسر شریف النساء انصاری کی مرتب کردہ وجہدی کی مثنوی 'تحفۂ عاشقاں'، یعقوب اسلم کی تصنیف 'مٹی کی خوشبو' اور اختر صاحب کی دو کتابوں (کلیاتِ صفی اور صفی اورنگ آبادی مشاہیر کی نظر میں) پر مصنفہ کے تبصرے ہیں۔ تحقیقی مضامین جیسے 'اردو میں نعت گوئی کی روایت'، 'دکنی کی خاتون محققین'، 'بیسویں صدی کے آغاز میں خواتین کی صحافت' میں ڈاکٹر راحت سلطانہ نے اہم ادوار کی نشان دہی کی ہے اور معروف شخصیتوں کا تعارف اور ان کے کلام کے نمونے بڑے اختصار سے پیش کر کے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ شخصیات پر قلم اٹھاتے ہوئے مصنفہ نے مختصر طور پر ان کی حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے اور یہ یقین کر لیا ہے کہ کوئی گوشہ نظر انداز نہ ہو۔ چناں چہ آزاد کے بارے میں فرماتی ہیں کہ "وہ ایک طرف اردو کے اولین ادبی مورخ، نقاد، محقق، ڈرامہ نویس، ماہر لسانیات اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف جدید اردو شاعری کے اولین معمار کا درجہ رکھتے ہیں۔" ڈاکٹر عبدالحق سے متعلق مضمون میں ان کی علم دوستی، تعلیمی اور تدریسی خدمات، مہمان نوازی اور دوہا رلی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مخدوم محی الدین پر راج بہادر گوڑ کے تاثرات مصنفہ نے یوں قلم بند کیے ہیں۔ "مخدوم کا جوہر یہ ہے کہ وہ قلم کو تلوار میں اور تلوار کو قلم میں تبدیل کر سکتے ہیں۔" محمد علی اثر کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری پر ڈاکٹر راحت سلطانہ نے دقیقہ شناسی سے مضمون رقم کیا ہے لیکن نثر نگاروں اور نثری اصناف پر لکھے گئے مضامین میں ویسی گہرائی دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔ شہوتوں کی بنا پر مصنفہ خواتین میں لطف النساء امتیاز کو ماہ لقا بائی چندا کے مقابلے میں اردو کی اولین صاحب دیوان ٹھہراتی ہیں۔ مضامین سے صاف ظاہر ہے کہ ڈاکٹر راحت سلطانہ کا مطالعہ وسیع ہے اور وہ کسی کتبِ فکر سے وابستہ نہیں ہیں جو ایک سچے محقق کی نشانی ہے۔ ان کی زبان سلیس اور رواں ہے مگر بیچ میں کہیں کہیں طنز کی کاٹ صاف دکھائی دیتی ہے۔ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

☆ ملک کی تقسیم کے بعد تحقیق وتنقید کی دنیا کچھ سمٹی سی ہو گئی ہے اور ہماری یونیورسٹیاں تحقیقی وتنقیدی مقالوں کے گودام بن گئی ہیں جہاں ریسرچ کی گرم بازاری نے نقد و تحقیق کو ایک علمی شغل سے بڑھ کر ایک کاروباری پیشہ بنا دیا ہے۔ (اردو میں تحقیق وتنقید کی روایت ص ۱۰۳)

☆ ہندوستان کی جامعات میں پی ایچ ڈی کی سند کے لیے لکھے جانے والے بیشتر مقالوں میں سے اکثر چھپانے کے لیے ہوتے ہیں، چھپانے کے لیے نہیں۔ (پدم شری پروفیسر شریف النساء انصاری اور مثنوی تحفۂ عاشقاں ص ۱۹۱)

دکنی ادب کی جانکاری کے لیے مذکورہ تصنیف کا مطالعہ کرنا اردو کے ہر سنجیدہ طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ اس کتاب کی خوب پذیرائی ہوگی اور مصنفہ مستقبل میں بھی اسی طرح اردو کی خدمت کرتی رہیں گی۔

▫▫▫

نام کتاب : ننھا بہادر
(بچوں کی پچیس کہانیوں کا مجموعہ)
مصنف : رئیس صدیقی
ضخامت : ۸۸ صفحات
قیمت : ۳۰ روپے
ملنے کا پتا : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار، جامع مسجد دہلی-۱۱۰۰۰۶
تبصرہ نگار : ایم رحمٰن (دہلی)

'ننھا بہادر' بچوں کی پچیس کہانیوں کا مجموعہ ہے جس کے مصنف معروف ادیب و فکشن نگار جناب رئیس صدیقی ہیں۔ اس کتاب کو مکتبہ پیامِ تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ فاضل تخلیق کار نے بچوں کی فلاح و اصلاح کے لیے اپنے دردمند دل کی آواز کو عام بچوں تک پہنچانے کے لیے صرف اور صرف قلم کا سہارا لیا ہے، کیوں کہ میرا ماننا ہے کہ شعور کی روشنی جلائے بغیر کوئی تحقیقی کام نہیں کیا جاسکتا ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ملک اور قوم کے مستقبل کا انحصار بچوں کی تعلیم و تربیت پر ہے۔ بچے جو من کے سچے ہوتے ہیں انھیں نگاہِ کرم چاہیے۔ یہ بچے، بچیاں قومی امانت ہیں، جس سانچے میں انھیں ڈھالیں وہ ڈھل جائیں گے۔ اسی اہم کام کو رئیس صدیقی نے اپنی کہانیوں سے انجام دیا ہے کہ بچو آؤ تم ان قصے کہانیوں کو پڑھو اور تعمیری ذہن کے لیے دریچے کھول دو۔ یہ بھی سچ ہے کہ یہ نئی صدی کا دور ہے جہاں دنیا سکڑ گئی ہے اور فاصلے کم ہو گئے ہیں مگر ہمارے بچے ان کم فاصلے میں ہم سے دور ہوتے جا رہے ہیں جو ایک بڑا المیہ ہے، جس پر والدین کو خود غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مشہور و ممتاز ادیب جناب مخمور سعیدی رئیس صدیقی صاحب کے بارے میں کیا کہتے ہیں، آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

"جناب رئیس صدیقی بڑوں کے لیے بھی لکھتے ہیں اور بچوں کے لیے بھی۔ دراصل بچوں کے لیے لکھنا خاصا مشکل کام ہے، اس کے لیے بچوں کی نفسیات اور ان کی دل چسپیوں کو سمجھنا اور ایسا طرزِ تحریر اختیار کرنا جو ان کے لیے قابلِ قبول ہو اور ان تقاضوں سے ایک پختہ کار ادیب ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ رئیس صدیقی کی کہانیاں بچوں کی نفسیات اور ان کی پسند، دونوں کو مدِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں اور رئیس صاحب نے طرزِ تحریر بھی ایسا سادہ، سلیس اور رواں دواں اختیار کیا ہے جو بچوں کے لیے ان کہانیوں کو اور بھی زیادہ قابلِ مطالعہ بنا دیتا ہے"۔

نبیل عارفی کہتے ہیں کہ:

"رئیس صدیقی نے جتنی بھی کہانیاں لکھیں خواہ وہ طبع زاد ہوں یا تراجم، اس بات کا خیال ضرور رکھا ہے کہ بچوں کی نفسیات پر اس کے برے اثرات نہ ہوں اور نہ ہی کہانی دل چسپیوں سے خالی ہو بلکہ کہانی ختم ہوتے ہوئے ایسا سبق آموز نکتہ ضرور قائم کر جائے جو بچوں کی کردار سازی میں معاون ہو"۔

جب رئیس صدیقی کی مطبوعات پر ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ادبِ اطفال پر ان کی متعدد کتابیں موجود ہیں جو معصوم بچوں کی ذہنوں کی پرورش میں ایک نمایاں کردار ادا کرتی ہیں، مثلاً 'جان پہچان' (بچوں کے ادیبوں اور شاعروں سے انٹرویو)، 'اچھا خط کیسے لکھیں؟' (فنِ خطوط نگاری)، 'اردو لرننگ کورس' (ہندی سے اردو سکھانے کی مکمل گائڈ)، 'ترجمانِ اردو، قاعدہ، زبانِ اردو' حصہ اول و دوم، 'شیروں کی رانی' (بچوں کی کہانیوں کا مجموعہ)، 'ننھا بہادر' (بچوں کی کہانیوں کا مجموعہ)، 'باتونی لڑکی' (بچوں کی کہانیوں

کا مجموعہ) وغیرہ۔

رئیس صدیقی صاحب 'میرے دل کی بات' کے عنوان سے کتاب کے صفحہ اول پر رقم طراز ہیں:

''بچپن سے بہت سے بچوں کی طرح میرے مزاج میں بھی کچھ عجیب سی بے چینی اور بے قراری رہی ہے۔ درحقیقت میں عام بچوں کی طرح ہوتے ہوئے بھی 'کچھ خاص بچہ' بننا چاہتا تھا۔ دل میں کچھ ایسا کر گزرنے کی خواہش تھی جس سے میرے اور میرے ماں باپ کا نام روشن ہو''۔

یہ ایک ایسی ٹھوس بنیاد ہے جسے فاضل مصنف نے اپنی زندگی میں تعمیری کاموں سے باندھ رکھا ہے اور یقیناً وہ ادب اطفال کی سکڑتی دنیا کو نیا رنگ دینا پسند کرتے ہیں کہ زندگی عمل کا نام ہے۔

اچھی سوجھ بوجھ کا نام ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کا نام ادب اطفال کے لکھنے والوں کے صف اول میں شمار ہوتا ہے۔

مجموعے میں شامل بچپن کہانیوں میں ایک کہانی 'ننھا بہادر' ہے۔

تمام کہانیاں بچوں کے ذہن کو روشن کرنے میں کامیاب ہیں۔ یہ تو سلیقہ اور قرینہ ہے رئیس صدیقی کا جو کہنے کا ہنر جانتے ہیں اور کہانی میں معتبر کرداروں کو یکجا کرتے ہوئے عظمت کی موتیوں کی لڑیاں تیار کرتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں کے اندر اپنے اسلاف و اکابرین کی محبت پیدا ہو۔ جہاں تک میں نے یہ کتاب پڑھی ہے بڑے ہی وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح کی علمی خدمات نے رئیس صدیقی کو پارس بنا دیا ہے۔ امید ہے کہ اس مجموعے کی پذیرائی ہوگی۔

بقیہ: جب فلمی دنیا میں کاروانِ اردو..... تھا

صفحہ ۳ سے آگے

سے ہے۔ روزنامہ 'ملاپ' کے مالک اور بانی اڈیٹر مہاشہ خوشحال چند خورسند اور اُن کے تین صحافی بیٹے شری رنبیر، جناب یش اور مسٹر پرکاش ویر بھی جلال پور جٹاں میں پیدا ہوئے تھے۔

راجندر کرشن اردو کے مشہور فلمی صحافی اور بمبئی میں رسالہ 'شمع' (دلی) کے مستقل نمائندے جناب رازداں ایم۔ اے کے جگری دوست تھے۔ رازداں صاحب اشوک کمار پروڈکشنز اور گرودت فلمز کے پبلسٹی آفیسر بھی تھے۔ دونوں کی دوستی اس قدر پکی تھی کہ مدراس کی جن جن فلموں کے گیت اور مکالمے راجندر کرشن نے لکھے اُن کی تشہیر مسٹر رازداں کے ذریعے ہوئی اور ایسا بہت کم ہوا کہ اُن کی کوئی فلم ناکام رہی ہو۔ راجندر کرشن کو ایک بار پچاس لاکھ روپے کی بڑی لاٹری نکلی تو انھوں نے اس رقم کا ایک بڑا حصہ ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی نذر کیا کہ وہ اسے ملک کی تعمیر نو کے کاموں میں تصرف میں لائیں۔ وزیر اعظم نے اُن کے اس ایثار کی تعریف کی تھی۔

راقم کے راجندر کرشن کے ساتھ اچھے مراسم تھے۔ جب بھی بمبئی جانا ہوتا تو پروڈیوسر ڈائرکٹر گوبند اور سورج پرکاش کے رنجیت اسٹوڈیو میں واقع دفتر میں اُن سے ملاقات ہوتی اور وہ اپنی علمی سرگرمیوں سے مطلع فرماتے۔ پاک طینت اور نیک فطرت انسان تھے۔ اردو پر جان دیتے تھے۔ اُن کی جن فلموں کے نغمے بہت مقبول ہوئے اُن میں 'بیوی'، 'بہن'، 'اناڑی'، 'بیٹا بازار'، 'قربانی'، 'سہاگ'، 'پیار کی منزل'، 'دلربا'، 'پتنگ' اور 'جواری' کے نام قابل ذکر ہیں۔

○○○

مضمون نگاروں سے درخواست

'ہماری زبان' کے مضمون نگاروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مضمون صاف اور خوش خط تحریر کر کے ارسال فرمائیں۔

بعض حضرات مضمون کی زیروکس کاپی یا اپنے مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں، اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمارے لیے ایسے مضامین شائع کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایسے مضامین ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

بقیہ: ریاست جھارکھنڈ میں اردو کی ابتدائی تعلیم

صفحہ ۸ سے آگے

سے کر اور اس کا بہ طور خاص انتخاب کرکے اپنی مشکلیں آسان کرسکتے ہیں۔

ایک بڑی خامی تقرری کے لیے ضابطے میں یہ ہے کہ اردو ٹیچرس کی بحالی میں جملہ مضامین میں اردو کی بجائے ہندی اور انگریزی کو ذریعۂ امتحان قرار دیا گیا ہے جس کا اس مخصوص معاملے میں کوئی جواز نہیں ہے۔ اردو کماحقہ اردو تعلیم و تدریس کا ایک لازمی جزو ہے اور اس لحاظ سے دیوناگری یا کوئی اور رسم خط اس کا بدل نہیں ہوسکتا اور اس کے استعمال میں تحریری لیاقت کو بنیاد بنا کر اردو اساتذہ کا صحیح اور درست انتخاب نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ اردو تعلیم و تدریس کے نقطۂ نظر سے سراسر مہلک ثابت ہوگا۔ باوجودیکہ اکثر ریاستیں تک اردو نیز بنگلہ و اڑیا میں غیر لسانی مضامین میں امتحان کی کاپیاں لکھنے کی اجازت اور سہولت حاصل ہے مگر ادھر کچھ عرصے سے محکمۂ تعلیم کی جانب سے ابتدائی سطح سے دیوناگری کو کلی طور پر ذریعۂ امتحان کی حیثیت سے رائج کرنے اور اردو ذریعۂ تعلیم پر قدغن لگانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اردو اساتذہ کی بحالی میں اردو کو بطور ذریعۂ امتحان ہندی اور انگریزی کے ساتھ شامل نہیں کیا جاسکا ہے۔

اردو اساتذہ کی بحالی میں اب تک جو بندشیں حائل کی جاتی رہی ہیں اور تقرری کے ضابطے میں دیکھے والے سے ہیر پھیر اور تبدیلی کرکے بحالی کے عمل کو معطل رکھنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا عدلیہ نے بجا طور پر نوٹس لیا ہے اس سے اردو تعلیم و تدریس کو فی الحقیقت ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اشد ضروری ہے کہ اردو تعلیم و تدریس کو معمول پر لانے کے لیے تقرری کے ضابطے کو ممکن العمل بنایا جائے۔ اردو تعلیم و تدریس کو ابتدائی سطح پر یکساں رائج کرنے اور اس کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اردو اساتذہ کے برسہا برس قبل غیر منقسم ریاست میں منظور شدہ عہدوں میں اضافہ بھی اب ناگزیر ہوچکا ہے جس پر جھارکھنڈ سرکار اور محکمۂ تعلیم نے اب تک کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ بلاشبہ نئی ریاست کے قیام کے بعد پرائمری اسسٹنٹ ٹیچرس کے کوئی چودہ ہزار کے قریب عہدے منظور کیے گئے ہیں مگر ان پر اردو داں امیدواروں کے حق کو تسلیم نہیں کیا گیا اور پرائمری اردو اور اسسٹنٹ پرائمری ٹیچرس کے دو مختلف زمروں کے عہدوں کو ان پر الگ الگ بحالی کرنے کی بجائے خلط ملط کرکے اردو اساتذہ کی بحالی میں تفریق و امتیاز کی صورت پیدا کی گئی ہے جو قطعاً نامناسب ہے۔ انجمن نے اس باب میں عدالتی فیصلے کے حوالے سے محکمۂ تعلیم پر واضح کردیا ہے کہ دوسرے زمرے کے عہدوں کو ہندی اور قبائلی نیز علاقائی زبانیں جاننے والوں کے لیے مخصوص کرنا اردو اقلیتی لسانی طبقے کو اس کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک کرکے ملازمت اور روزگار کے مواقع سے محروم اور اردو تعلیم و تدریس کے دائرے کو محدود کرنے کے مترادف ہے جو آئین کی رو سے قرین انصاف نہیں کہا جاسکتا۔

محکمۂ تعلیم نے مذکورہ امور پر عدالت کے واضح اور مثبت فیصلے اور حکم کے باوجود ضابطہ سازی کے عمل میں کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اس سے دانستہ گریز کیا ہے۔ انجمن کو مجبوراً تقرری کے معاملے کو رو بہ راہ لانے کے لیے دوسری بار عدالتی کو مقدمے کے ساتھ جس پر ابھی سماعت جاری ہے، عدالتی چارہ جوئی کے لیے پیش قدمی کرنا پڑی اور اس معاملے کو پھر سے اٹھاتے ہوئے انجمن کی جانب سے تقرری سے متعلق شائع ہونے والے اعلانیہ میں جو بے ضابطگی برتی گئی ہے، عدلیہ سے اسے فی الفور رد کرنے اور اس کے سد باب کے لیے موثر کارروائی کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ یہاں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ عدالت عالیہ نے پرائمری اردو ٹیچرس کی تقرری کے باب میں محکمۂ تعلیم کا جو منفی اور گمراہ کن رویہ رہا ہے، اس پر سختی سے سرزنش کرتے ہوئے پرائمری ٹیچرس کے دونوں زمروں کے عہدوں کے لیے قانون کے مطابق نیا ضابطہ وضع کرنے اور اس کے تحت امتحانات کے ازسرنو انعقاد کا حکم صادر کردیا مگر حیرت ہے کہ محکمۂ تعلیم نے عدالت کے فیصلے کی ان دیکھی کرتے ہوئے اعلانیہ میں پھر وہی پہلے کی طرح گمراہ کن اور پُر فریب انداز اختیار کیا ہے اور اسے اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، جس سے اردو اساتذہ کی تقرری کے امکانات معدوم ہوگئے ہیں۔ ریاستی انجمن کے سامنے اس صورت حال میں بہ جز اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ اردو کے تحفظ کی بحالی کے ذیل میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے عدالتی چارہ جوئی کا راستہ اختیار کرے اور عدلیہ کے فیصلے کے حوالے سے آئینی اور قانونی بنیاد پر اردو اساتذہ کی بحالی کی راہ بہر صورت ہموار کرے۔

جھارکھنڈ میں انجمن کی تمام تر کوشش فی الوقت ریاست میں اردو تعلیم کے نظام کو منضبط اور مستحکم کرنے پر مرکوز ہے۔ اس سلسلے میں ہماری پہلی ترجیح اردو کی پرائمری تعلیم کا تحفظ ہے، جس کے درہم برہم ہوجانے کی وجہ سے اردو تعلیم کی بنیاد متزلزل ہوگئی ہے اور اس کے نقصان رساں اثرات اردو تعلیم کی اعلا سطح تک پہنچ رہے ہیں۔ اردو کی ابتدائی تعلیم کا معاملہ اس لحاظ سے اردو سے متعلق دوسرے تمام مسائل پر مقدم اور توجہ طلب ہے اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ سرکاری اور نجی دونوں سطحوں پر اس کی ترویج پر پوری توجہ دی جائے اور اس سلسلے میں جگہ جگہ اردو کے تعلیمی مراکز اور آزاد مکاتب قائم کیے جائیں۔

ریاست میں اردو اساتذہ کی تقرری کے ایک طویل عرصے تک معرض التوا میں رہنے کی وجہ سے اردو کی ابتدائی سطح پر تعلیم و تدریس بالکل ہی معدوم ہوچکی ہے اور عملاً مدارس کے علاوہ سرکاری، پبلک اور پرائیویٹ اسکولوں میں کہیں بھی اس کا وجود نہیں رہا اور اب انجمن کے ذریعے اس کے احیا کی کوشش کا آغاز ہو رہا ہے۔

جھارکھنڈ کے ابھی کے حالات میں اردو کی پرائمری تعلیم کی بقا و تحفظ کا انحصار اصلاً پرائمری اردو ٹیچرس کی تقرری پر ہے۔ جس میں ضابطے کی خامی اور پیچیدگی بین طور پر رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ جس کے آئینی اور قانونی بنیاد پر ازالے اور اصلاح کے لیے عدلیہ سے اس کے اس بابت سابقہ فیصلے کو ملحوظ رکھتے ہوئے موثر کارروائی کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔

توقع کی جاتی ہے کہ انجمن کی اس بار کی عدالتی چارہ جوئی سے اس سے قبل کے عدلیہ کے فیصلے اور حکم نامے کو تقویت ملے گی اور اس بنا پر تقرری کا نیا ضابطہ جسے ابھی عدالت کی ہدایت کے خلاف مسخ شدہ شکل میں جاری کیا گیا ہے، اس کی قرار واقعی اصلاح ہوسکے گی اور اردو اساتذہ کی تقرری کی راہ کھل جائے گی اور اردو کی ابتدائی تعلیم کے تحفظ اور اس کے بہتر مستقبل کے امکانات اجاگر ہوسکیں گے۔

■◆■

ریاست جھارکھنڈ میں اردو کی ابتدائی تعلیم کے تحفظ کا مسئلہ

پروفیسر ابوذر عثمانی
صدر انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ، ستار کالونی، لین نمبر ۱، بریاتو، رانچی-۸۳۴۰۰۹ [جھارکھنڈ]

ریاست جھارکھنڈ میں اردو کے تئیں حکومت کے ناموافق اور امتیازی رویے کی وجہ سے اردو تعلیم وتدریس کی حالت انتہائی ابتر ہوگئی ہے۔ اس سلسلے میں پرائمری اردو ٹیچرس کی تقرری کا مسئلہ خصوصیت کے ساتھ توجہ طلب ہے جسے نظرانداز کرکے ریاست میں اردو کی ابتدائی اور ثانوی سطحوں پر تعلیم کے تحفظ وبقا کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ یہ امر بجا طور پر موجب تشویش ہے کہ ریاست جھارکھنڈ میں پرائمری اردو ٹیچرس کے کوئی ساڑھے چار ہزار کے قریب عہدے جو ۱۹۹۹ء میں غیر منقسم ریاست میں منظور کیے گئے تھے، نئی ریاست کے قیام کے بارہ سال گزر جانے کے بعد بھی ابھی تک خالی پڑے ہیں حالاں کہ ریاستی انجمن کے ذریعے محکمۂ تعلیم کو اس جانب مسلسل متوجہ کیا جاتا رہا ہے اور المیہ یہ ہے کہ اس بابت انجمن کے دائر کردہ مقدمے پر عدلیہ کے مثبت اور دوٹوک فیصلے کے باوجود جسے اب ایک سال ہونے کو آئے، تقرری کے عمل میں تاحال کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی ہے جب کہ عدالت کے فیصلے کی رو سے تقرری کی کارروائی جولائی ۲۰۱۲ء سے قبل مکمل ہوجانی چاہیے تھی۔ انجمن نے عدالتی فیصلے پر عمل درآمد کے لیے محکمۂ تعلیم کے سکریٹری کو باضابطہ متوجہ کیا۔ ساتھ ہی وزیر تعلیم اور وزیر اعلا نیز گورنر سید احمد صاحب سے بھی ضروری کارروائی کی درخواست کی مگر اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ انجمن نے بالآخر محکمۂ تعلیم کے خلاف گذشتہ ۹؍جولائی ۲۰۱۲ء کو توہین عدالت کا مقدمہ دائر کردیا اور عدالت سے اس سلسلے میں مداخلت اور فوری کارروائی کی درخواست کی۔

محکمۂ تعلیم کے ذریعے عدالتی دباؤ پر تقرری کے عمل کی بہ ظاہر ابتدا کردی گئی ہے اور یہ یقین دہانی بھی کی گئی ہے کہ اس سلسلے کے مراحل جلد ہی طے کرلیے جائیں گے تاہم اس معاملے میں وہی پہلے کی طرح رکاوٹ اور بندش کی صورت اب بھی برقرار ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ محکمۂ تعلیم نے عدلیہ کی واضح ہدایات کے باوجود تقرری کے قواعد وضوابط کو صحت و احتیاط کے ساتھ مرتب کرنے اور بحالی کے امتحان سے متعلق نصاب اور طریق کار کو کسی سطح پر نافذ اہلیتی امتحان (TET) کے اصول اور طریق کار کے مطابق درست کرنے پر مطلقاً توجہ نہیں دی اور اس سے تقریباً پہلو تہی کی ہے۔ نتیجتاً تقرری کی کارروائی میں ضابطے اور طریق کار کی خامی ابھی بھی سد راہ بنی ہوئی ہے اور اس نے فی الواقع بڑی پیچیدہ اور اندیشہ ناک صورت اختیار کرلی ہے۔

واضح ہو کہ تقرری کے ضابطے اور اہلیتی امتحان کے طریق کار میں گڑبڑی کی وجہ سے عدلیہ نے اس سے قبل پرائمری ٹیچرس کے عہدوں کے لیے چنے گئے سارے امیدواروں کی تقرری کو منسوخ کردیا تھا اور بحالی کی پوری کارروائی کو منسوخ کرتے ہوئے اسے پھر سے امتحان لے کر بروئے کار لانے کا حکم صادر کردیا تھا۔ عدلیہ نے حکومت کو پھر سے ضابطہ سازی کی ہدایت دیتے ہوئے انجمن کی عرضی میں پرائمری اردو ٹیچرس کی بحالی سے متعلق جو سوالات اور معاملات اٹھائے گئے تھے انھیں اس باب میں ملحوظ رکھنے پر بطور خصوصیت کے ساتھ زور دیا تھا مثلاً یہ کہ:

۱- اردو داں امیدواروں کے لیے قبائلی زبانوں کو جو دیوناگری رسم خط کے ساتھ مستعمل ہیں جن کی تعلیم و تدریس مادری زبان کی حیثیت سے صرف آدی باسی طبقے کے لیے مخصوص ہے اور غیر آدی باسی طبقے کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، اہلیتی امتحان کا جزو نہ بنایا جائے۔

۲- اسسٹنٹ پرائمری ٹیچرس کے دوسرے زمرے کے عہدوں کو صرف ہندی اور قبائلی زبانیں جاننے والوں کے لیے مخصوص نہ کیا جائے بلکہ ان پر آئینی بنیاد پر اردو داں امیدواروں کے مساویانہ حق کو تسلیم کیا جائے تاکہ اردو تعلیم وتدریس میں کوئی خلا پیدا نہ ہو اور اردو تعلیم کو زیادہ وسیع پیمانے پر روزگار سے جوڑا جاسکے۔

۳- پرائمری اردو ٹیچرس اور اسسٹنٹ پرائمری ٹیچرس کی بحالی کے امتحانات خلط ملط کرنے کی بجائے علاحدہ اور الگ الگ تاریخوں پر منعقد کیے جائیں۔

۴- اردو ٹیچرس کی بحالی کے امتحان میں جملہ مضامین میں اردو کو ہندی اور انگریزی کے ساتھ ذریعۂ امتحان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔

یہ امر افسوس ناک ہے کہ مذکورہ امور کے باب میں عدلیہ کے مبنی بر انصاف رخ اور رویے کے باوجود محکمۂ تعلیم کی جانب سے ابھی تک کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا گیا ہے اور تقرری کے ضابطے اور طریق کار میں حقیقتاً کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے حتیٰ کہ اہلیتی امتحان کے نصاب کو بھی TET کے اصول کے برخلاف بلاکسی ردوبدل اور اصلاح کے پہلے ہی کی طرح مسخ شدہ شکل میں پھر جاری کردیا گیا ہے اور ستم بالائے ستم ریاست کے مختلف اضلاع میں رائج متفرق قبائلی اور مقامی زبانوں کو جن کی نصابی حدود میں تعلیم وتدریس مشکوک ہے، اردو داں طبقے کی ان سے عدم واقفیت کے باوجود دوبارہ اہلیتی امتحان کا جزو بناکر اردو اساتذہ کی بحالی میں دانستہ رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ اہلیتی امتحان میں لازماً ان کی ناکامی پر منتج ہوگی جیسا کہ قبل کے اہلیتی امتحان کے نتائج سے ظاہر ہے۔ ایک زیادتی اور یہ کی گئی ہے کہ اہلیتی امتحان میں ۳۰ مساوی نمبرات پر مشتمل دوسرے مضامین کے برعکس انگریزی کو غیر ضروری طور پر اردو کے ساتھ شامل کرکے اردو کے مارکس میں بالقصد تخفیف کی کوشش کی گئی ہے جو اردو داں امیدواروں کے لیے یقیناً نقصان رساں ثابت ہوگی اور ان کی بحالی میں آڑے آئے گی۔ یوں بھی TET کے قواعد کی رو سے لسانی مضمون کے تحت اردو کے ساتھ انگریزی کی شمولیت اور اضافہ درست قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ اردو طلبہ کو مزید آزمائش میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ نصاب کی ناقص ترتیب کی وجہ سے اردو طلبہ انگریزی کی تدریس سے قوی اور بجا طور پر محروم کردیے گئے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ نویں اور دسویں درجے میں دو لسانی مضامین ہندی بشمول انگریزی لازمی اور اردو بشمول بنگلہ، اڑیا اضافی مضمون کے طور پر شامل کیے گئے ہیں۔ اردو طلبہ عمومی طور پر ان زمروں کے مضامین میں ہندی لازمی مضمون اور اردو اضافی مضمون کے طور پر پڑھتے ہیں جس سے مادری زبان ہونے کی بنا پر وہ کماحقہٗ نہیں رہ سکتے اور باوجود اس کے کہ نصاب میں ہندی اور انگریزی کو ساتھ ساتھ رکھنے اور پڑھنے کی گنجائش ہے اردو کی جگہ انگریزی لینے سے معذور رہتے ہیں۔ اہلیتی امتحان کے جو قواعد مرتب کیے گئے ہیں اس کی رو سے پہلے سے پانچویں درجے اور چھٹے سے آٹھویں درجے تک دو الگ الگ امتحانات میں سوالات ان درجات کے نصاب کے مطابق اور اس کے مشمولات پر مبنی ہوں گے اس التزام کے ساتھ کہ پرائمری سطح کا نصاب سکنڈری نیز سینیر سکنڈری نصاب سے جڑا ہوا ہو جس سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اس صورت میں بہترین انصاف ہوگا کہ رائج نصاب کے مطابق اردو اور انگریزی کے مشترک لسانی مضمون کی بجائے صرف اردو کو ۳۰ مارکس پر مشتمل ایک الگ لسانی مضمون کی حیثیت سے جگہ دی جائے۔ فارسی کو البتہ ہم جنس زبان ہونے کی بنا پر اردو کو اولیت دیتے ہوئے اس کے متبادل کے طور پر استثنائی حیثیت سے استعمال کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

جہاں تک آدی باسی اور مقامی زبانوں کا تعلق ہے جنھیں علاقائی زبان کا نام دیا گیا ہے، اردو ٹیچرس کی بحالی میں ان زبانوں کو اہلیتی امتحان کا لازمی جز بنانا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ یہ زبانیں غیر قبائلی طلبہ کے لیے خصوصی طور پر شامل نصاب نہیں کی جاتیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو جسے دوسری سرکاری زبان کا مقام حاصل ہے اور اس بنا پر آئین کی رو سے جھارکھنڈ کی واحد علاقائی زبان تسلیم کی جائے گی، ریاست کی متفرق زبانوں میں اہلیتی امتحان کے ایک لازمی جزو کی حیثیت سے شامل کی جائے جسے اب تک نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔ فی الوقت TET کے طرز پر اہلیتی امتحان میں مقامی رسماً کی زبانوں میں ہندی، بنگلہ اور اڑیا وغیرہ متبادل زبانوں کے طور پر رکھی جاسکتی ہیں جن میں اردو داں امیدوار ہندی کو اولیت

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

ایڈیٹر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں　مطبوعہ: قمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): ۱۰ روپے، سالانہ: ۵۰۰ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax:011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org

ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ___ (ادارہ)